علامہ ابن خلدون کے علمی کارنامے، تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

Scientific Achievements of Allama Ibn Khaldun, Research and Analytical Study

Hafiz Taj Din [1]

Abstract:

This research delves into the scientific contributions of the renowned 14th-century scholar, Allama Ibn Khaldun, through a comprehensive analysis of his seminal work, "*Al-Muqaddimah*." Ibn Khaldun's multidisciplinary approach to knowledge, encompassing historiography, economics, sociology and political science, makes him a unique figure in Islamic scholarship. The study begins by providing a historical backdrop to Ibn Khaldun's life, emphasizing the intellectual and cultural milieu of his time. It then explores the intricate layers of "*Al-Muqaddimah*," shedding light on the innovative methodologies and concepts embedded in the text. The research dissects Ibn Khaldun's contributions to historiography, revealing his groundbreaking ideas on the cyclical nature of civilizations and the concept of 'Asabiyyah,' which denotes social cohesion. Furthermore, the paper scrutinizes Ibn Khaldun's economic theories, examining his insights into the intricate relationship between economics and social structures. The analysis extends to his sociological observations and political theories, elucidating the enduring relevance of his concepts in contemporary social and political studies. By investigating Ibn Khaldun's methodology and analytical framework, the research elucidates how his approach has influenced subsequent scholars. The study concludes with reflections on Ibn Khaldun's lasting legacy and his profound impact on diverse academic disciplines. As an integral part of Islamic intellectual history, Allama Ibn Khaldun's scientific achievements continue to shape scholarly discourse and offer valuable insights into the complexities of human societies.

Keywords: *Ibn e Khaldūn, scientific contributions, Al-Muqaddimah, historiography, sociology, political science*

علامہ ابن خلدون ۲۷ مئی ۱۳۳۲ء بمطابق یکم رمضان المبارک ۷۳۲ھ کو تیونس، شمالی افریقہ میں پیدا ہوئے۔[2] ان کا تعلق ایک ذی حیثیت اور اہلِ علم و فضل خاندان سے تھا۔انہوں نے اپنی خاندانی روایات اور خوش بختیوں کے ورثہ میں

---

[1]. Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, University of Okara, Punjab-Pakistan

[2]۔ ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، دیوان المبتدا اوالخبر فی تاریخ العرب والبربر، بیروت: دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲۰۰۱ء، ۱/۵۔

Ibn e Khaldun, Abdu r Rahman, *Dīwān al-Mubtadā ao Al Khabr, fī Tārīkh al-Arab wa Al-Barbar*, Beirut: Dār al-Fikr, 2001,5/1

پرورش پائی۔ وہ اپنے باپ کی گود میں پروان چڑھے جو ان کے اولین استاد ہیں۔ سب سے پہلے انہوں نے قرآن کریم حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ پھر ترجمہ اور مختلف قرأتوں کا مطالعہ کیا۔ بعد ازاں حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ علاوہ ازیں انہوں نے تیونس کے سرکردہ علماء سے صرف، نحو اور علمِ انشاء کی تعلیم حاصل کی۔ تیونس اس وقت اندلس سے ہجرت کر کے آنے والے علماء و فضلاء کا مرکز بن چکا تھا۔ ابن خلدون نے حدیث، فقہ، شاعری اور علمِ لسانیات پر دسترس حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے منطق اور فلسفہ کا بھی مطالعہ کیا اور گہری دسترس حاصل کی۔ ان کے تمام اساتذہ ان کی لیاقت و قابلیت کے معترف تھے۔ ان اساتذہ نے ابن خلدون کو اجازہ کی سندیں عطا کیں۔ غرضیکہ اٹھارہ برس کی عمر تک آپؒ اکتسابِ علم میں مصروف رہے۔[3]

فکری ارتقاء:

ابن خلدون نے تیونس میں پرورش پائی اور وہیں اپنی تعلیم مکمل کی لیکن کچھ عرصہ بعد ابن خلدون نے تیونس کو اس لئے چھوڑ دیا کیونکہ وہاں طاعون جیسی موذی وباء پھیل چکی تھی چنانچہ وہ حوارہ چلا گیا اور حاکم شہر ابن عبدون کے پاس قیام کیا۔ ابن عبدون نے اس کا زبردست انداز سے استقبال کیا اور مغرب کی طرف سفر کرنے میں اس کی مدد کی۔ ابن بطوطہ کی طرح ابن خلدون نے بھی اپنی ابتدائی عمر میں ہی مختلف ممالک کی سیاحت کر لی تھی۔

۷۵۵ھ میں تلمسان کے بادشاہ ابو عنان المرینی نے ابن خلدون کو فاس آنے کی دعوت دی۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔ بادشاہ نے اس کی بہت عزت کی اور عہدہ کتابت سے سرفراز کیا لیکن سلطان کی عنایت کچھ لوگوں کو جو اس سے درجہ میں کم تھے ناگوار گزری۔ حسد کی وجہ سے انہوں نے سلطان کے پاس ابن خلدون کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے اسے قید کر دیا۔ ابو عنان کی وفات کے بعد اس کے وزیر ابن عمر نے نہ صرف اسے آزاد کیا بلکہ کرامات سے نوازا۔ اسی کے بعد بادشاہ ابو سالم نے ابن خلدون کو اپنا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کر لیا۔ جب بادشاہ نے مکہ کے سفر کا ارادہ کیا تو ابن خلدون کو اپنے ساتھ لیا۔ علامہ ابن خلدون نے اپنا کام بخوبی نبھایا لیکن خطیب ابن مرزوق نے بادشاہ کے پاس ابن خلدون کی برائی کر کے غلبہ حاصل کر لیا۔ یہ بات ابن خلدون اور دوسرے لوگوں کو ناگوار گزری۔ لوگ سلطان کو ناپسند کرنے لگے۔ سلطان کی وفات کے بعد علامہ ابن خلدون وزیر ابن عمر کے ذریعے ایک بار پھر اپنا مقام سیاسی ایوانوں میں بنانے میں کامیاب ہو گیا۔[4]

3۔ محمد عبداللہ عنان، ابن خلدون؛ حیات و خدمات، مترجم نوراکینہ قاضی، لاہور: ادارہ مطبوعاتِ سلیمانی، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۴، ۱۵۔
Muhammad Abdullah Annan, *Ibn e Khaldūn; Hayat o Khidmāt*, Lahore: Idārah Matbu’āt e Sulemānī, 2003, p.14,15

4۔ الفریڈ بل، ابن خلدون در اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، دانش گاہ، پنجاب، ۱۹۶۴ء، ۱/۵۰۴۔
Alfred Bell, *Ibn e Khaldun* in Urdu Dā’irah M’ārif Islamiah, Lahore: Dānish Gah, Punjab, 1964, 504/1

ابن خلدون اندلس کے سفر کا خواہشمند تھا لیکن وزیر ابن عمر نے اسے روک دیا۔ واپسی کی رضامندی کے اظہار پر اسے سفر کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ ابن خلدون نے ۷۶۴ھ میں اندلس کا سفر شروع کیا اور غرناطہ پہنچ گیا۔ اس وقت عبداللہ سلطان تھا اس نے ابن خلدون کی بڑی قدر و منزلت کی اور اپنے اعلیٰ محلوں میں سے ایک محل اسے رہنے کے لئے دیا۔ ۷۶۵ھ میں ابن خلدون نے قشتالہ کی طرف سفر کیا اور وہاں کے حکمران ابو عبداللہ سے ملاقات کی۔ ابو عبداللہ نے اسے ایک خچر کا تحفہ دیا جس کی سونے کی لگام تھی۔ غرناطہ واپس پہنچ کر اس نے خچر لگام سمیت سلطان ابو عبداللہ کو بطور تحفہ دے دی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر ایک شہر جاگیر کے طور پر نوازا۔ لیکن مال و دولت ابن خلدون کو سیاحت سے روک نہ سکے۔ اب ابن خلدون کو اپنے اہل وعیال کی طرف جانے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ وہ بجایہ پہنچا شہر والوں نے اس کا زبردست استقبال کیا لیکن ابو عبداللہ حاکم بجایہ کی حکومت جلد ہی ختم ہو گئی۔ امیر قسطنطنیہ نے ابو عبداللہ پر حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ ابوالعباس ابن خلدون کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آیا۔ بعد ازاں ابن خلدون تلمسان چلا گیا۔ سلطان تلمسان ابو حمو نے اسے حجابت کے عہدے پر فائز کیا لیکن اس نے اس سے عذر کیا اور اندلس جانے کی اجازت مانگی۔ اس بات کی مغرب اقصیٰ میں خبر ہوئی تو انہوں نے اس کا استقبال کیا لیکن یہ وہ وقت تھا جب ابن خلدون نے عملی سیاست ترک کرنے کا ارادہ کر لیا۔[5]

جس وقت ابن خلدون قلعہ سلامہ پہنچا اور وہاں اس نے اپنی مشہور زمانہ تاریخ لکھنا شروع کی تو اسی دوران اس کے دل میں اپنے وطن تیونس کی طرف لوٹنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ تلمسان کے والی سے اجازت نامہ طلب کرنے کے بعد تیونس کی طرف لوٹنے کا رخ کیا۔ تیونس کے والی نے اس کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھا اور پرائیویٹ سیکریٹری بنا لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی دربار میں اس کے خلاف سازشیں ہونے لگی تو اس نے تیونس چھوڑ کر مصر کا رخ کیا۔ ۷۸۴ھ میں قاہرہ پہنچا۔ جامعہ ازہر میں درس دینے لگا۔ جب حاکم مصر برقوق کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اسے مالکی فقہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ لیکن حاسدین نے اسے یہاں بھی سکون سے رہنے نہ دیا اور اس کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں۔ ابن خلدون نے اپنے خاندان کو مصر بلایا۔ شاید قسمت کو یہ منظور نہ تھا، وہ سب موجوں کی نذر ہو گئے۔ اس واقعہ کی سہار ابن خلدون کے لیے بہت مشکل تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو مذہبی کاموں میں مشغول کیا اور فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد قاہرہ پہنچا۔

5۔ امام شہاب الدین الحنبلی، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، بیروت: دار الجیل، س ن، ۲۰۵/۷۔

Imam Shahab ud Din Hanbli, *Shazrāt al-Zahab fī Akhbār min Zahab*, Beirut: Dār al-Jeel, 205/7

۸۰۱ھ میں اسے دوبارہ مالکی فقہ کا قاضی بنادیا گیا۔ لیکن ۸۰۳ھ میں اسے منصب سے ایک بار پھر دستبردار ہونا پڑا۔ اس دوران تیمور لنگ نے دمشق پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ابن خلدون ناصر فرج اور دوسرے علماء کے ساتھ روانہ ہوا۔ چنانچہ اسے قلعہ دمشق کی دیوار سے رسوں کی مدد سے نیچے اتارا گیا۔ وہ تیمور سے ملا تیمور اس کے علم سے بہت متاثر ہوا۔[6]

۸۰۱ھ میں ابن خلدون کو جب منصب قضا سنبھالنے کے لیے طلب کیا گیا۔ اسی دوران ملک بر قوق نے وفات پائی اس وقت اس کا بیٹا ناصر فرج ایک نااہل حکمران تھا۔ ۸۰۳ھ میں تیمور لنگ نے شام پر حملہ کیا تو ناصر فرج اس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا اور علماء کو ساتھ لیا۔ ان علماء میں ابن خلدون بھی شامل تھا لیکن چند ایک مقابلوں کے بعد ملک ناصر کو واپس مصر لوٹنا پڑا۔ ابن خلدون نے دمشق کو بچانے کے لئے امراء کے ایک وفد کے ساتھ امیر تیور سے ملاقات کی لیکن اس کی حاصل زندہ امان کو حاکم اور شہریوں نے تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ ابن خلدون امیر تیمور کی طرف سے حملے اور سزا کے خوف سے شہر چھوڑ کر امیر تیمور سے جاملا اور چالیس دن تک اس کے ساتھ رہا اور اس کے لیے کتاب لکھی اور قصیدہ بردہ شریف پیش کیا۔ تیمور نے اس سے ایک اصیل خچر تحفتاً گیا اور بعد ازاں اسے تحفہ بھی دیا۔ ۸۰۳ھ میں تیمور کی واپسی کے بعد ابن خلدون قاہرہ آیا اور سلطان مراکش کو خط لکھ کر صورتحال سے آگاہ کیا۔ ۱۳۶۵ء سے ۱۴۰۱ء تک ابن خلدون مجموعی طور پر چھ بار مالکی فقہ کے قاضی کے عہدہ پر فائز اور معزول ہوتا رہا اور آخر کار ۲۶ رمضان ۸۰۸ھ بمطابق ۱۶ مارچ ۱۴۰۶ء کو اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ ابن خلدون کی تمام زندگی سیاسی اضطراب اور انتشار میں ہی گزری۔[7]

ابن خلدونؒ ایک عرصہ تک مصر میں مقیم رہے۔ اور بالآخر ۲۶ رمضان، ۸۰۸ھ بمطابق ۱۶ مارچ ۱۴۰۶ء میں ۷۸ برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ انہیں باب النصر کے باہر گورستانِ صوفیاء میں دفن کیا گیا جو اس زمانے میں علماء و صوفیاء اور معروف شخصیات کی آخری آرام گاہ تھا۔[8] لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان کی قبر کا فی زمانہ کسی کو علم نہیں۔[9] ابن خلدونؒ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپؒ رمضان المبارک کے مہینے میں پیدا ہوئے اور اسی مہینے میں آپؒ کا انتقال ہوا۔

6۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱؍۵۰۵۔

Urdu Dā'irah M'ārif Islamiah, 505/1

7۔ محمد عبداللہ عنان، ابن خلدون؛ حیات و خدمات، ص: ۷۵۔

Muhammad Abdullah Annan, *Ibn e Khaldūn; Hayat o Khidmāt*, p.75

8۔ ایضاً، ص: ۸۶۔

ibid, p.86

9۔ مقدمہ ابن خلدون، ص: ۲۵۔

Muqaddimah Ibn e Khaldūn, p.25

ابن خلدون کے علمی کارنامے

ابن خلدون کی شخصیت کی عکاسی کے بعد اب ہم اس کے علمی کارہائے نمایاں کو بیان کرتے ہیں۔ علمی خدمات کے لحاظ سے اگر ہم ابن خلدون کی شخصیت کا جائزہ لیں تو اس کی تین الگ الگ حیثیتیں ہیں۔

۱۔ مورخ کی حیثیت سے

۲۔ فلسفہ تاریخ کے بانی کی حیثیت سے

۳۔ عمرانیات کے بانی کی حیثیت سے۔[10]

تاریخ کا درست تصور:

ابن خلدون سے قبل تاریخ صرف اور صرف واقعات کی قلمبندی کا نام تھا۔ اس میں واقعات کی ربط و تعلیل کو سرے سے ہی نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون نے تاریخ میں سائنٹیفک اصولوں کو متعارف کروایا۔ اور واقعات کے ربط و تسلسل کو قائم کیا۔[11]

تالیفات:

مختلف اوقات میں ابن خلدون نے مختلف تصنیفات رقم کی ہیں۔ لیکن ان تصنیفات میں "کتاب العبر" کا مقدمہ اس کی شہرت کا بنیادی باعث بنا۔ مقدمہ کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں معاشرہ کے عروج وزوال سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ تاریخ و مقدمہ کے علاوہ اس کی دیگر تصنیفات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ابن رشد کے رسالہ کی تلخیص   ۲۔ ریاضی پر مقالہ   ۳۔ شرح قصیدہ بردہ

۴۔ وزیر غرناطہ ابن الخطیب کی سوانح عمری   ۵۔ منطق پر ایک رسالہ

۶۔ المحصل کی تلخیص۔   ۷۔ تاریخ مغرب[12]

ان کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی آج کے دور میں نہیں ملتی۔ تاہم ابن خلدون کی شہرت کا سبب ان کا مقدمہ ہی ہے۔ جس میں صدیوں تک اس کا کوئی حریف نظر نہیں آتا۔

[10]. Franz Rosenthal, Muqadma Ibn Khaldoon, Vol.1, p. 34

[11]. ibid

[12]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱/۵۰۶۔

Urdu Dā'irah M'ārif Islamiah, 506/1

مقدمہ پر ایک نظر:

مقدمہ کو ابن خلدون نے تین کتابوں اور چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ مقدمہ کی پہلی فصل میں زمین اور اس کی شہری آبادی اور انسان کے اخلاق پر آب و ہوا کے اثر پر بحث کی گئی ہے۔ دوسری فصل میں بدوی آبادی، وحشی قبیلوں اور قوموں کی انداز زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ دیہاتی و شہری زندگی سے متعلق تفصیلی بحث ہے۔ تیسری فصل میں نظام حکومت سے بحث کی گئی ہے۔ چوتھی فصل میں شہروں اور مختلف آبادیوں اور ان کے تہذیب و تمدن سے ان کے تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔ پانچویں فصل میں کسب و معاش کی مختلف صورتوں سے بحث کی گئی ہے۔ چھٹی فصل میں علوم اور اس کی مختلف اقسام سے بحث کی گئی ہے۔ اس میں ہر علم سے متعلق تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ علوم درج ذیل ہیں۔

قرآن، حدیث، فقہ، علوم لسانیہ، طبیعات، ریاضی، طب، ادب، شعر، علم النفس، تاریخ الہیات، علوم نجوم، علوم سحر۔

ابن خلدون کے مقدمہ نے یورپین مفکرین کے ہاں ایک خاص اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اس کے اب تک مختلف زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ جن میں فرانسیسی، انگریزی، جرمنی، اطالوی اور ترکی زبانیں شامل ہیں۔

تاریخ ابن خلدون پر ایک نظر:

کتاب العبر کی چھ جلدیں ہیں۔ مشرق کے بہت سے لوگوں نے کتاب العبر کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ یورپ کے مستشرقین نے ہی اس کی کما حقہ قدر کی ہے۔ اور اس کو اتنی ہی اہمیت دی ہے جتنی اس کے مقدمہ کو دی ہے اور سب نے اپنی اپنی زبانوں میں اسکے حصوں کا ترجمہ کر لیا ہے۔ لیکن انہوں نے صرف اپنے اپنے فائدے کے حصوں کا ترجمہ کیا ہے۔

دی سلان نے 'القسم الخاص بلاد المغرب و البربر' کو شائع کیا ہے۔ اس کتاب کو 'کتاب الدول الاسلامیہ فی المغرب' سے موسوم کیا گیا ہے۔ کتاب العبر کے آخر میں ابن خلدون نے اپنے زندگی سے واقعات قلمبند کئے ہیں۔ اس حصے کو 'التعریف بابن خلدون' سے موسوم کیا گیا ہے۔[13]

13۔ الحضرمی، عبدالرحمٰن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، مترجم راغب اصفہانی، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء، ۱/۱۲۴۔

Al-Hazrmi, Abdu ur Rahman bin Muhammad, *Muqaddimah Ibn e Khaldun*, Karachi: Nafees Academy, 1986, 124/1

ابن خلدون پر تنقید:

چنانچہ ابن خلدون کے بلند علمی مرتبہ کے باوجود اسے قنوطیت پسند کہا جاتا ہے۔ مصر میں ابن خلدون نے جس طرح اعتماد کے ساتھ آخری سال بسر کئے ہیں، وہ اس کے اس مقصود و منزل کی نشاندہی کرتے ہیں جس کے لئے وہ سرگرداں رہا تھا۔ ابن خلدون کا یہ عمل ناقدین کے اعتراضات کی نفی کرتا ہے۔

ابن خلدون ایک دانشور کی حیثیت سے بے مثال شخصیت کا مالک تھا لیکن وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ بحیثیت انسان ابن خلدون پر کئی قسم کے اعتراضات بھی عائد ہیں۔ ان کے مطابق ابن خلدون کی خامیوں کی نشاندہی کرنے سے شاید ہم اس کے نظریات کی تصحیح کر سکیں۔ ابن خلدون کی سب سے بڑی کوتاہی وقت کی ترتیب کا فقدان ہے وہ جگہ جگہ یعنی بات کو دہراتا بھی ہے اور اس کے بیان میں توازن کا فقدان ہے۔ جگہ جگہ پر اس کے الفاظ کے چناؤ میں مخصوص اور تشریح طلب الفاظ شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ پرانے ماخذات پر کئی جگہوں میں ضرورت سے زیادہ انحصار کرتا ہے۔ ابن خلدون سیاسی تاریخ کو محض مثالوں کی خاطر استعمال کرتا ہے۔

ان تمام خامیوں کے لئے بحیثیت مجموعی صرف ایک جواز ہے اور وہ یہ کہ کوئی ایک فرد تمام معاملات میں تکمیل کا دعوے دار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اتنے وسیع کام میں اس سے یہ کوتاہیاں سرزد ہوئیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی زمانے میں اتنے وسیع پیمانے پر کام کرتے ہوئے اس قسم کے خلل لازمی ہیں۔ اس بات کا اندازہ ٹائن بی کے کام سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بیان میں مختلف جگہوں پر نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مقدمہ اور تاریخ میں تضاد کی وجہ:

ابن خلدون کو وہ زمانہ ملا جو ایسا رستا خیز اور ادل بدل کا زمانہ تھا کہ سکون و دل جمعی کے ساتھ وہ کسی کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا۔ یہی بات تاریخ اور مقدمہ میں تضاد کا باعث بنی ہے۔ تاریخ کی چال کو متعین کرنا اور واقعات و حالات کی فطرت سے ٹھیک ٹھیک آگاہی حاصل کرنا ایک عرصہ کی محنت، جگر کاوی اور غور و فکر چاہتا ہے۔ اور ایسے مواد کا متقاضی ہے جو اس وقت مہیا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ کام تو بعد کے مورخین کا تھا کہ وہ ابن خلدون پر تنقید کو مشعل راہ ٹھہرا کر پوری تاریخ کا جائزہ لیتے اور نوع انسانی کی بالعموم اور مسلمانوں کی بالخصوص ایسی سلجھی ہوئی تاریخ مرتب کرتے کہ جس کے آئینہ میں ہر انسان اپنی ملی و قومی ترقی و ادبار کی تصویروں کو صاف صاف دیکھ سکتا اور آئندہ کے لئے ایک راہ اور منزل اپنے لیے

متعین کر پاتا۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ ایسا نہیں ہو سکا اور ایک اس کے نہ ہونے سے بعد کی تاریخ پر جو اثر پڑا بڑا ہی افسوسناک ہے۔ اور یہ بات ایک نظر سے مخفی نہیں ہے۔[14]

طرز بیان واستدلال:

ابن خلدون کے اسلوب بیان اور طرز استدلال کے متعلق مختصراً کچھ کہہ دینا ضروری ہے۔ مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے ابن خلدون کے اسلوب کے انشاءپرداز ہونے سے انکار کیا ہے حتیٰ کہ الفاظ کے بے موقع اور غلط استعمال کے علاوہ نحوی غلطیاں بھی انہیں دکھلائی دی ہیں۔ لیکن بظاہر انہیں یہ اعتراف کرنا ہی پڑا کہ ابن خلدون کا طرز بیان مصر و شام میں ایک نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعد میں آنے والے ادیبوں نے اس کی اتباع کرنے کی بڑی کوشش کی۔ خیالات کی جدت و تنوع کے ساتھ ساتھ ابن خلدون نے مروجہ طرز سے ہٹ کر ایک نرالا اور اچھوتا طرز تحریر اپنایا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ابن خلدون کی زبان میں بہت حد تک توازن کا فقدان ہے۔ کہیں کہیں غیر ضروری مسائل پر بہت زیادہ زور بیان صرف کیا گیا ہے اور بے کار طوالت اور تفصیل سے کام لیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے خیالات و تصورات کی وضاحت کے لیے اس نے تکرار کی کثرت سے کام لیا ہے۔ تاہم پڑھنے والا ابن خلدون کے ایک ایک جملے سے اس کی ذہانت اور واقعات کی گہرائیوں تک پہنچنے کی صلاحیت محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔[15]

ابن خلدون اپنے نظریات کے سلسلہ میں تجربات و مشاہدات سے بہت کام لیتا ہے۔ تجربات میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی کو بیان کرنا زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ یعنی عصبیت کی اہمیت کی ذہن نشینی کے لئے وہ سورۃ یوسف کی آیت پیش کرتا ہے:

"لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبَ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّا اِذَاالّخَاسِرُوْنَ۔"[16]

"ہماری اس تعداد کے باوجود حضرت یوسف کو بھیڑیا کھا جائے تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہیں۔"

اس کے علاوہ ایک نسل یا پشت کی مدت کو چالیس سال ثابت کرنے کے لئے وہ قرآنی آیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

14۔ ٹ۔ج۔ دوبوئر، تاریخ فلسفۂ اسلام، مترجم عابد حسین، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۸۷۔

T.J. Dow Boir, *Tāreekh Falsfah e Islam*, Lahore: Idarah Saqāfat e Islamiyah, 1994, p.187

15۔ ایضاً، ص: ۱۹۰۔

ibid, p.190

16۔ یوسف، ۱۲: ۱۴۔

Yousaf, 12:14

"حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً۔"[17]

"یہاں تک کہ وہ جوانی کی انتہا کو پہنچ گیا اور چالیس سال کا ہو گیا۔"

قرآن کریم کے علاوہ ابن خلدون زیادہ تر تاریخی واقعات سے استدلال کرتا ہے۔ یہ واقعات اگرچہ تاریخ عالم سے ہوتے ہیں لیکن ان میں غالب اکثریت تاریخ عرب اور بربر کی ہوتی ہے۔ مثلاً قوم کے عروج و زوال پر مذہبی عقائد بہت زیادہ اثرانداز ہوتے ہیں۔ اس طرح کہ جو قومیں راسخ العقیدہ ہوتی ہیں وہ ہمیشہ بڑی سے بڑی اقوام پر غالب آجاتی ہیں۔ اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے اس نے تاریخ عرب سے قادسیہ اور یرموک کے معرکے پیش کیے ہیں۔ جن میں چند ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ سے بھی زیادہ فوجوں کو شکست دی۔ ان دلائل کے علاوہ ابن خلدون کبھی کبھی اپنے نظریات کی بنیاد عقلی دلائل پر بھی رکھتا ہے۔ اس کے تاریخی اصول میں جابجا منطقی اور عقلی دلائل کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اگرچہ ان اصولوں کے وضع کرنے میں آٹھ سو سال کے تاریخی واقعات و تجربات سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان کی توجیہ میں بہت حد تک علم الکلام سے مدد لی گئی ہے۔ اس طرح ابن خلدون کو سیاسیات اور علم الکلام میں مطابقت پیدا کرنے کا شرف حاصل ہے اور یونانی حکماء کی طرح وہ اپنے دلائل کو عقل تک ہی محدود نہیں کرتا۔[18]

اخلاق و عادات:

ابن خلدون اتنا خوش قسمت ضرور ہے کہ یورپ نے اس کی شایان شان قدر کی ہے اور ہاتھوں ہاتھ لیا ہے یہ حق کی بات ہے کہ ابن خلدون انہی کی قدر افزائیوں کے بل بوتے پر زندہ بھی ہے ورنہ اپنوں نے تو طرح طرح کی تہمتیں پھیلا کر اسے ختم کر دیا تھا۔ ابن خلدون نے اپنی زندگی میں بہت سے کٹھن مراحل کا سامنا کیا۔ اس کے سامنے سلطنتیں بدلی ہیں۔ تختِ اورنگ پہ انقلاب آیا ہے۔ اور اس سے اس کی حیثیت پر بھی نمایاں اثر پڑا۔ لیکن انہوں نے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنے لیے کامیابی کی کوئی راہ ڈھونڈ ہی نکالی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ اس سے وزارت چھن گئی اور اسے پسِ دیوارِ زنداں بھی جانا پڑا۔ لیکن وہ جلد ہی کوئی تدبیر اور جوڑ توڑ کر کے اپنا مقام دوبارہ حاصل کر لیتا۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ابن خلدون کی صلاحیتوں کو کوئی اعلیٰ سیاسی نصب العین کے حصول کے لیے استعمال نہ کر سکا۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ عمرانیات کا یہ امام کسی

17۔ الاحقاف،۴۶:۱۵۔ Al-Ahqāf, 46:15.

18۔ رشید احمد، مسلمانوں کے سیاسی افکار، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ،۱۹۹۹ء، ص:۲۰۱۔

Rasheed Ahmad, *Musalmāno kay Siyasī Afkār*, Lahore: Idarah Saqāfat e Islamiyah, 1999, p.201

عظیم سلطنت کا مؤسس ہوتا۔ ابن خلدون کی ذاتی شخصیت، ان کا مقدمہ کتاب العبر، کتاب العبر اور دیگر علمی خدمات کے مطالعے کے بعد ان کی تین مختلف حیثیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

۱۔ مؤرخ کی حیثیت سے ۲۔ ماہرِ عمرانیات کی حیثیت سے

۳۔ فلسفۂ تاریخ کے بانی کی حیثیت سے۔[19]

تاریخ نگاری اور ابن خلدون:

انتھونی بلیک اپنی کتاب میں ابن خلدون کی تاریخ نگاری کی تین اہم خصوصیات کا ذکر کرتا ہے:

"پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے قدماء کی طرح واقعات کو بترتیبِ سن بیان نہیں کیا بلکہ اس روش کو ترک کیا ہے۔ اس کا واقعات و بیان کرنے کا انداز عام طور پر یہ ہے کہ وہ ہر حکومت اور ہر معاشرے کا الگ الگ ذکر کرتا ہے اور اس میں جو جو تبدیلیاں ہوئیں صرف انہیں کو معرض تحریر لاتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اقوام بربر و بنو احمر کا حال جس تفصیل سے لکھا ہے اور بلاد مغرب حکومتوں کا نقشہ جس طرف نگاہی سے کھینچا ہے یہ آج بھی ایسا ہے کہ اس میں افادیت ضائع نہیں ہوئی۔ ان اقوام و قبائل کے حالات بیان کرنے ابن خلدون اس لیے زیادہ بھروسہ کے لائق ہے کہ ان میں یہ خود بھی شریک رہا ہے۔ تاریخ کا کوئی طالب علم اس سے قطع نظر کر کے سچا مورخ نہیں ہو سکتا۔ تیسری خصوصیت اس کی کشادہ دلی اور بے تعصبی ہے مثلاً جب سپین کے عیسائیوں کے واقعات بیان کرتا ہے تو اس میں اپنی مورخانہ روش کو تنگ نظری سے ملوث نہیں ہونے دیتا۔[20]

فلسفہ تاریخ میں ابن خلدون کا مقام:

تاریخ نگاری میں امتیازات و خصوصیات سے بہرہ مند ہونے کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ابن خلدون کی اصلی شہرت فلسفہ تاریخ کے بانی کی حیثیت سے ہے جس نے دنیا میں عمرانیات کی داغ بیل ڈالی۔ فلسفہ تاریخ میں ابن خلدون کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ یہ صرف نقل پر بھروسہ نہیں کرتا اور کسی واقعہ کو اس بناء پر تسلیم نہیں کرتا کہ اس کو روایت کے انداز میں بیان کیا گیا ہے بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ معاشرہ ایک کلیت ہے اور ہر دور اور عصر ایک اکائی ہے جس کا ایک مخصوص سیاسی اور اقتصادی مزاج ہے اور متعین تقاضے ہیں۔ اس لیے جب کوئی واقعہ حکایت و روایت کے انداز میں ہم تک پہنچے تو ہمارا فرض

[19]. Franz Rosenthal, *Muqaddma Ibn-e-Khaldoon*, vol.1, p.35,36

[20]. Antoni Black, *The History of Islamic Political Thought*, Oxford University Press, 2001, p.178, 179

ہے کہ ہم اس دور کے تمام تقاضوں کو فکر و نظر کے سامنے لائیں۔ اور پھر دیکھیں کہ آیا یہ ان تقاضوں کے منافی تو نہیں۔ گویا کسی ایک واقعہ کی صحت وعدم صحت کو جانچنے کے لیے تنہا راوی کے صدق و کذب پر بحث کرنا کافی نہیں بلکہ اس پر کئی دوسری سمتوں سے بھی غور ہونا چاہیے کہ یہ ان اعتبارات سے اس لائق ہے کہ اس کو تسلیم کیا جائے۔[21]

فلسفہ عمرانیات اور ابن خلدون:

ابن خلدون پہلا شخص ہے جس نے فن عمرانیات کی واضح بنیادیں قائم کیں۔ حالانکہ اس کا اصل موضوع عمرانیات نہیں بلکہ فلسفۂ تاریخ ہے۔ عمرانیات کی بحثیں تو مقدمہ میں ضمناً آگئی ہیں، مستقل بالذات حیثیت سے عمرانیات کو اپنا موضوع ٹھہرا کر ابن خلدون زندگی کی پیچیدگیوں کو حل کرنے کا دعوی نہیں کرتا۔[22]

ڈاکٹر خرم نے ابن خلدون کو ماہر عمرانیات قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک ابن خلدون کے لیے دراصل تاریخ اور حکمت دونوں مل کر انسانوں کو سمجھنے کے لیے مفید ہیں۔ ان سے افراد کے مجموعے کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اس میں کسی نئے علم کا تصور ڈھونڈنے کی بجائے شاید یہ مناسب ہوتا کہ ہم اسے ایک جامع تصور سمجھیں۔ اس کے نزدیک مقصود فعل ایک ہی تھا اور وہ تھا انسانیت کو سمجھنا۔ اس مقصد کے لیے تاریخ کا مطالعہ اس انداز سے کرنے کی ضرورت تھی کہ تاریخ کو افراد کی مجموعی کہانی سمجھا جائے۔ اس کے نتیجے میں حقیقت اور غلط بیانی کے درمیان فرق کرنا تھا اور حقائق کو پرکھنے کا یہی طریقہ تھا۔[23]

خلاصہ بحث:

ابن خلدون کی فکر کی تشکیل اور ارتقاء میں اس کے ذاتی تجربات اور اس کے دور کے حالات و واقعات کا نمایاں کردار ہے۔ سیاسی اور سماجی عمل میں اس کی شرکت اور زوال پذیر معاشرے میں اعلیٰ قدروں کے زوال نے اس کی فکر کے عمومی نظریات کی تشکیک کے زاویے نمایاں کر دیے اور عمومی معاشرتی ضوابط کے مشاہدے اور بیان نے ابن خلدون کو ایک مفکر اور فلسفی کا روپ دے دیا۔ ایک ایسا فلسفی اور مفکر جو معاشرے کے عام لوگوں، عام رویوں اور تاریخ کے عمومی عوامل کا فہم رکھتا تھا اور یہی فہم جدید سائنسی فکر کی روح شمار کی جاسکتی ہے۔ اس کا اپنا کردار اور زندگی بھی اپنے عمومی رویوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ سیاسی طور پر زوال پذیر معاشرے کی انفرادی اور شخصی سیاسی اخلاقیات کا نمائندہ نظر آتا ہے۔

---

[21]. Antoni Black, *The History of Islamic Political Thought*, 2001, p.180

[22]. دوبوئر، تاریخ فلسفہ اسلام، ص:۱۹۶۔

T.J. Dow Boir, *Tāreekh Falsfah e Islam*, p.196

[23]. خرم قادر، تاریخ نگاری؛ نظریات وارتقاء، لاہور: مکتبہ فکر ودانش، ۱۹۹۲ء، ص:۱۹۱۔

Khurram Qadir, *Tāreekh Nigārī; Nazriyāt o Irteqā*, Lahore: Maktabah Fikr o Danish, 1992, p.191